اداریہ

مسیحی اہلِ نظر کی گفتگوؤں میں عموماً مسلم - مسیحی مکالمے کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ چند ماہ پہلے پاسٹرل انسٹی ٹیوٹ ملتان میں منعقدہ پہلی "کل پاکستان کانفرنس برائے مسیحی تعلیم" میں بھی اس کی بازگشت سنی گئی۔ کہا گیا ہے کہ "مسیحی اقلیت پاکستان میں ایک بامعنی بین المذاہب مکالمہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، لہذا مسیحی دینیات کا ایک فریضہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ مسیحی بچوں اور بڑوں کو بین المذاہب مکالمہ کے لیے تیار کرے ----"

بین المذاہب مکالمے کی تیاری کے سلسلے میں متعدد مسیحی ادارے اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں جن میں "کرسچن اسٹڈی سنٹر راولپنڈی" اپنے تحریری کام اور مسیحی تربیتی کورسوں کی وجہ سے معروف ہے، تاہم بین المذاہب مکالمے کے لیے "مطالعۂ اسلام" یا "مطالعۂ مسیحیت" ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لیے تحمل، بُردباری اور رواداری کی خوبیوں کی موجودگی لازمی ہے۔ انٹر ریلیجس ڈائیلاگ ایسوسی ایشن کے ایک اجلاس کی کارروائی پندرہ روزہ "شاداب" (لاہور) نے اپنے کالموں میں نقل کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

> تمام مقرّرین نے پاکستان میں قائدِ اعظم کے ارشادات کے مطابق نظامِ حکومت قائم کرنے کا مطالبہ کیا اور شناختی کارڈ میں مذہبی خانہ کے حکومتی فیصلہ کی شدید مذمّت کی۔ صرف احمد سعید کرمانی نے اس کے حق میں باتیں کیں جنہیں حاضرین نے سننے سے انکار کر دیا ---- (پندرہ روزہ "شاداب"، لاہور - ۳۱ دسمبر ۱۹۹۲ء، ص ۱۱)

جس رویّے کا اظہار مذکورہ بالا اجلاس کے سامعین نے کیا، کیا اس سے کوئی بامعنی مکالمہ شروع ہو سکتا ہے؟ مکالمہ تو اپنی بات دلائل کے ساتھ کہنے اور دوسروں کا نقطۂ نظر تحمّل اور کھلے دل کے ساتھ سننے کا نام ہے۔ پاکستان کی مسیحی برادری ہو یا مسلمانوں کے مختلف طبقاتِ فکر، سب کو مکالمے کی روح اور لوازم کا خیال رکھنا چاہیے ورنہ یہ سب کچھ بے معنی مشق کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

وطنِ عزیز میں مسلم - مسیحی مکالمے کے سلسلے میں ایک بات یہ کہنے کی ہے کہ اس مقصد کے لیے کام کرنے والے افراد اور اداروں نے بالعموم سیکولر - لبرل طبقے کو مسلم اکثریت کا "دینی نمائندہ" خیال کر رکھا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیکولر - لبرل طبقہ اپنی عددی قوّت کی نسبت زیادہ اختیار و اقتدار کا مالک ہے مگر یہ بات کبھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونی چاہیے کہ پاکستان کا ایک عام مسلمان دینی معاملات میں بہرحال منبر و محراب کی جانب دیکھتا ہے، وہ کسی صحافی، ریٹائرڈ سرکاری افسر یا شاعر سے دینی رہنمائی طلب نہیں کرتا، اس لیے مسلم - مسیحی مکالمے کے داعیوں کو چاہیے کہ علماء و مشائخ کو تبادلۂ خیال کے اجلاسوں میں شامل کریں۔ علماء و مشائخ للّٰہیت، خدا خوفی اور انسانی اقدار کے حوالے سے بہرحال دُنیا دار سیکولر - لبرل طبقے سے بہتر ہیں۔ بابری مسجد کے سانحہ پر ملکِ عزیز میں جو ردِ عمل

سامنے آیا، اس پر ایک عالم دین، مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نے ایک دینی جریدے "حق چار یار" میں اظہارِ خیال کیا ہے، جو ایک دینی تنظیم کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

> بابری مسجد کی اصل حیثیت بحال کرنے کے لیے ضرورت تھی، ہم حکمت و غیرت کا ثبوت دیتے لیکن ہم نے غیر شریفانہ طور پر محض انتقام برائے انتقام کی پالیسی اپناتے ہوئے اسلامی اصول اور شرعی قواعد نظر انداز کر دیے اور اجودھیا کے مسلمانوں کا انتقام پاکستان کے ہندوؤں سے اور بابری مسجد کا انتقام پاکستان کے مندروں سے لینا شروع کر دیا اور سینکڑوں مندر منہدم کر دیے۔ اُن کے عبادت خانے جو اقلیت کی صورت میں ہمارے پاس امانت ہیں، جن کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ہم ذمہ داری قبول کر چکے ہیں۔ کم از کم ہمارا یہ فعل جرأت مندانہ فعل کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔" (ماہنامہ "حق چار یار"، لاہور - جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۵۲ - ۵۳)

یہ اندازِ فکر رکھنے والوں کو نظر انداز کر کے اور دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دینے والوں کے بغیر کوئی مسلم - مسیحی مکالمہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتا۔ توقع رکھنی چاہیے کہ مسلم - مسیحی مکالمہ خیر خواہی اور دینی اقدار کے علمبرداروں کی نگرانی میں آگے بڑھے گا نیز ضد اور عناد کی جگہ جمہوری اقدار کے مطابق فیصلے ہوں گے۔

سرفراز